U32946

Date 30-11-09

Title - TURKON KI KAHANIYAN

Creator - N.A.

Publisher - Maktaba Jamia Millia (New Delhi)

Date - 1945

Pages - 48.

Subject - Urdu Adab - Afsane ; Adab Itfaal.
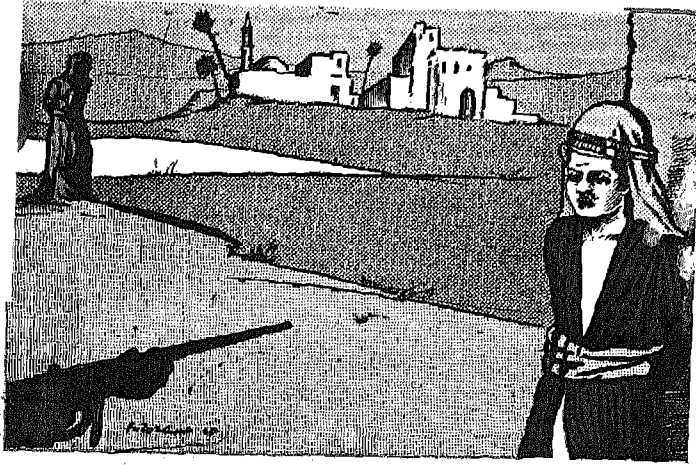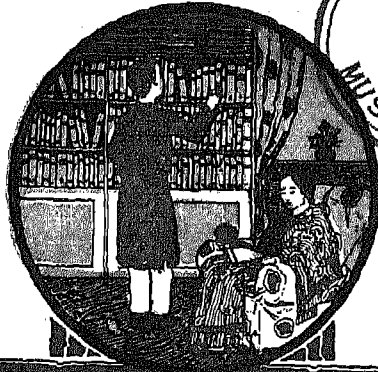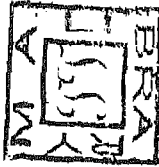
ترکوں کی کہانیاں

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

ترکوں کی کہانیاں

نئے دولہا لڑائی پر رخصت ہوتے ہیں

(حُبِّ وطن)

علی حمدی اور حسن فہمی دونوں جوان بھائی سلطانی فوج میں ملازم تھے۔ روم اور روس کی لڑائی ۱۸۷۶ء سے کچھ دن پہلے دونوں بھائی رخصت لے کر شادی کے لئے سمرنا آئے۔ شادی کی سب تیاریاں ہو گئی تھیں۔ نکاح بھی ہو چکا تھا۔ صرف رخصتی باقی تھی کہ لڑائی چھڑ گئی۔ نکاح کے دوسرے دن ان کے نام تاکیدی حکم آیا کہ فوراً چلے آؤ۔ حکم پہنچتے ہی دونوں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کے تمام عزیز قریب جمع ہوئے اور اس بات سے سب کو افسوس تھا کہ یہ اپنی دلہنوں کی صورت بھی نہ دیکھنے پائے اور ارمان بھرے لڑائی پر جاتے ہیں، دیکھئے زندہ بھی لوٹتے ہیں یا نہیں ماں باپ کے دل پر جو گذر رہی ہوگی اس کو ان کا دل ہی جانتا ہوگا۔

لیکن ان دونوں بھائیوں نے اپنے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔ دونوں نے ماں باپ کے قدموں پر سر جھکا دئیے۔ ان کے گلوں میں پھولوں کے زیور پڑے ہوئے تھے۔ باپ نے گلے سے لگا لیا۔ اور اُن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "میرے عزیز نوجوانو! کچھ غم نہ کرو مجھیں ایسے وقت ہم سے رخصت ہونا پڑا کہ تم اپنی دلہنوں کی صورتیں بھی نہ دیکھنے پائے لیکن اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ تم اپنے مُلک، اپنی قوم، اور اپنے مذہب کی حمایت کے لئے جا رہے ہو، اس کام کے لئے روانہ ہو رہے ہو جس سے دین و دنیا دونوں میں سُرخ رو ہو گے۔ اگر تم زندہ واپس آئے تو ہم سب کو اس بات کی خوشی ہو گی کہ تم اپنی قوم کے آگے سُرخ رو ہوئے اور تمھاری دلہنیں تمھارے پہلو میں ہوں گی۔ اور اگر تم نے شہادت پائی تو ہم اس سے زیادہ خوش ہوں گے کہ تم آخرت میں خدا کے سامنے سُرخ رو ہو گے، کیوں کہ تم نے اپنی قوم اور اپنے مذہب کا فرض اچھی طرح انجام دیا۔ اُٹھو اور بدن پر ہتھیار سجاؤ۔ اور ہنستے کھیلتے میدان کو روانہ ہو" جب باپ یہ کہہ چکا تو ماں نے بیٹوں کو گلے سے لگایا۔ اور کہا "میرے پیارے بچو!

تمہارے باپ نے تم کو جو نصیحت کی ہے، وہی نصیحت میں کرتی
ہوں۔ تم بہادر باپ اور بہادر دادا کی اولاد ہو۔ تمہارے باپ نے
لڑائیوں میں جو زخم کھائے ہیں وہ ان کے لئے فخر اور عزت کا زیور ہیں اور
تمام قوم ان کو ادب اور عزت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ تمہارا دادا تمام عمر
قومی لڑائیوں میں شریک رہا اور آخر کار ایک لڑائی میں وہ اپنی قوم اور
مذہب پر قربان ہو گیا۔ اور اس کی شہادت کی آرزو پوری ہو گئی۔ ترکوں
کی تاریخ میں تمہارے شیر دل دادا کے کارنامے سنہرے حرفوں میں
چمکتے نظر آتے ہیں۔ اگر تم اس لڑائی میں زندہ رہے اور تم نے جسم پر
زخم کھائے تو وہ زخم تمہارے باپ کے زخموں کی طرح شرافت
کا تمغہ ہوں گے۔ تم کو ان پر فخر کرنا زیبا ہوگا اور قوم کی نظر میں تم اسی
طرح عزت کے لائق ہوگے، جیسے تمہارے باپ ہیں، اور اگر تم
نے شہادت پائی تو تمہارا وہی رتبہ ہوگا جو تمہارے دادا کا ہے اور
ہمیشہ تمہارا نام شہرت کے آسمان پر ستارا بن کر چمکے گا اور قوم کے
دل میں تمہاری یاد تازہ رہے گی۔ اے میرے پیارے اور عزیز
بیٹو! تم اس لڑائی کے لئے تیار ہو کر خوش خوش جاؤ اور دین و دنیا کی

سُرخ روئی حاصل کرو۔ تمھاری دلھنیں تمھارا انتظار کریں گی۔ اگر تم زندہ
واپس آئے تو وہ تمھیں دیکھ کر باغ باغ ہوں گی۔ اور اگر تم شہید ہو گئے
تو وہ اپنی ہم سنوں میں بیٹھ کر فخر کریں گی کہ ان کے نوجوان بہادر
شوہر اپنی قوم پر فدا ہو گئے۔"

علی محمدی اور حسن فہمی کے دلوں میں ماں باپ کی تقریروں سے
جوش آگیا۔ انھوں نے سب کو آخری سلام کیا اور گھر سے رخصت
ہو گئے۔ ماں باپ کا دل اُن کے ساتھ گیا۔ لڑائی کے میدان میں پہنچ کر
دونوں بھائی نہایت بہادری سے لڑے اور زخمی ہو کر جنگی شفاخانے
بھیج دیئے گئے۔ لڑائی ختم ہونے پر وہ تندرست ہو گئے اور ان کو سلطان
کی طرف سے بہادری کے تمغے دیئے گئے۔ جب وہ سمرنا واپس آئے
تو ان کے ماں باپ نے بڑی خوشی منائی، تمام دوستوں اور عزیزوں
کو دعوت دی۔ دونوں دلھنوں نے اپنے ہاتھ سے پھولوں کے ہار تیار
کر کے ان کے گلے میں ڈالے اور ان کو مبارکباد دی۔

علی نظمی آفندی شہید

(حُبِّ وطن)

ابھی کل کی بات ہے ۱۹۱۲ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا
یہ ملک سمندر کے کنارے ہے۔ افریقہ میں ترکوں کا یہی ایک علاقہ
باقی رہا تھا۔ یہاں سب عرب آباد ہیں۔ یہ ترکی حکومت میں چین
کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کو اور ترکوں کو اس حملے کا خیال
بھی نہ تھا ناگہانی طور پر اٹلی کے جنگی جہازوں نے ساحل پر آکر شہر پر
گولے برسانے شروع کر دیئے۔ وہاں کے باشندے شہر خالی کر کے
دور میدان میں چلے گئے۔ اس ملک میں ترکوں کی بہت تھوڑی
فوج تھی، وہی مقابلہ کرتی رہی۔ یہاں کے عرب بھی وطن کو غیروں
سے بچانے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ ترکوں
کے پاس جنگی جہاز نہ تھا خشکی کا راستہ بھی بند تھا، جو وہ اور فوج
لا سکتے۔ اس وجہ سے مجبوراً بہت سے ترک سپاہی اور جو سپاہی

نے تھے وہ بھی بدوؤں کا بھیس بدل کر مصر کے راستے سے طرابلس پہنچ گئے
ترکوں میں اس قدر جوش تھا کہ بوڑھے اور جوان دونوں گھربار اور
عزیز پیاروں کو چھوڑ کر دشمن سے لڑنے جاتے تھے اور بہادری سے
لڑتے تھے۔ جن نوعمر لڑکوں نے اس لڑائی میں شریک ہوکر اپنے ملک
اور مذہب کا حق ادا کیا ان میں علی نظمی آفندی تھا۔ یہ پندرہ برس
کا تھا۔ مکتب حربیہ میں تعلیم پاتا تھا۔ ماں باپ مر گئے تھے اپنے
چچا کے پاس رہتا تھا۔ لڑائی کی خبر سنتے ہی طرابلس جانے
کے لئے تیار ہو گیا۔ آٹھ ترکی پاؤنڈ (جو اپنے دور کے عزیزوں
سے مانگ کر جمع کئے تھے) اور تین جوڑے کپڑے ساتھ لے کر
ہلال احمر کے دفتر میں جا کر کہا کہ "مجھے اپنے آدمیوں کے ساتھ
طرابلس بھیج دو۔" لوگوں نے اس کی صورت دیکھ کر عمر پوچھی۔ اس
نے کہا "پندرہ برس"۔ یہ سن کر بہت لوگ رونے لگے۔ بعض
نے کہا یہ بچپنے کی باتیں ہیں، پھر علی نظمی سے پوچھا کہ "تمہارے
ماں باپ ہیں؟" اس نے کہا "میرے ماں باپ دونوں نہیں ہیں۔"
بس ایک چچا ہے۔" لوگوں نے کہا تم طرابلس کیوں جاتے ہو؟

تو آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا "خدا، اسلام اور وطن کے نام پر" بعض لوگوں نے اسے جب ڈرایا کہ وہاں گولیاں چلتی ہیں۔ تو کہنے لگا " میں وہاں جانے کے لئے بیقرار ہوں، جہاں میری ماں، میرا باپ، اور ہم سب کا خدا ہے "

علی نقلی کے چچا کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا " یہ کیا نادانی کی حرکت کرتے ہو " اس نے کہا " میں نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا ہے۔ اس نے خدا کی طرف سے حکم دیا ہے کہ تم ہمارے ملک میں چلے جاؤ۔ میری ماں نے بتایا ہے کہ خدا کا ملک طرابلس ہی ہے " لیکن اس کا چچا کسی طرح راضی نہ ہوا مجبوراً علی نقلی بھی چپ ہو رہا لیکن موقع کی تاک میں رہا۔ اور ایک روز قسطنطنیہ سے غائب ہو گیا۔ اس کے چچا نے بہت ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا۔ اس کے کمرے میں دیکھا تو وہاں پانچ گنیاں اور خط ملا۔ دوسرے ہی دن قسطنطنیہ کے تمام اخباروں میں علی نقلی کا واقعہ چھپ گیا۔ چار پانچ مہینے تک کوئی پتہ نہ لگا کہ علی نقلی کہاں گیا۔ پانچ مہینے کے بعد طرابلس سے عارف بک کے اخبار صباح کے نام اس

مضمون کا تار آیا۔

اگر ہلال احمر پندرہ برس کے علی نظمی کو نہ بھولا ہو تو آپ اس کو یہ اطلاع دے دیجیے کہ پرسوں کی لڑائی میں وہ اپنے ماں باپ اور خدا کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں جانے کے لئے وہ بہت بے قرار تھا۔" رہتی دنیا تک ترکوں کی تاریخ میں علی نظمی شہید کا نام سونے کے حرفوں میں لکھا جائے گا۔

امیر علی پاشا

(حُبِّ وطن)

الجزائر افریقہ میں ایک اسلامی حکومت تھی۔ فرانس نے اپنے جنگی جہاز بھیج کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ عبدالقادر جزائری، جسے الجزائر کے گورنر نے چھوٹی عمر میں وطن سے نکال دیا تھا، چوبیس برس کی عمر میں واپس آیا۔ اپنے وطن کی حالت دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ میں اپنا وطن دشمنوں سے پاک کروں گا۔ اور آزادی کی نعمت جو ان سے چھین لی گئی ہے پھر واپس دلاؤں گا۔ یہ ارادہ کر کے اس نے الجزائر کے تمام قبیلوں کو غیرت دلا کر سب کو جہاد پر آمادہ کیا۔ اس وقت الجزائر میں فرانسیسی فوج بہت زیادہ تھی اور عبدالقادر کی جماعت اس کے مقابلے میں گویا کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن اس نے اپنے وطن کی محبت میں اسلامی جوش سے تلوار اٹھائی تھی اس لئے خدا نے اس کو کامیاب کیا اور فرانسیسیوں سے الجزائر کی زمین پاک ہو گئی لیکن آپس کی

نااتفاقیوں کی وجہ سے عبدالقادر کو بھی بُرے دن دیکھنے پڑے
فرانس نے ۱۸۴۰ء میں ۸۰ ہزار فوج الجزائر بھیجی اور عبدالقادر جو پورے
تیس برس تک تھوڑی جماعت کے ساتھ اور بلا نئے جنگی آلات کے
مقابلہ کرتا رہا تھا، گرفتار ہو گیا۔ اور قید کر کے فرانس بھیج دیا گیا وہاں
پانچ برس تک قید رہا۔ جب لوئی نپولین نے اسے رہا کر دیا تو وہ بروصہ
اور پھر کچھ دن دوسرے ملکوں کی خاک چھان کر دمشق چلا آیا۔ یہیں
۱۸۴۶ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ امیر علی پاشا اسی کے بیٹے ہیں۔ جب
اٹلی اور طرابلس کی لڑائی چھڑی اس وقت یہ شام میں تھے انھیں لڑائی
کی خبر ہوئی تو انھوں نے سلطان المعظم کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی
اس میں درخواست کی کہ میں لڑائی میں بھیج دیا جاؤں اور اس میں لکھا کہ
میرے باپ عبدالقادر نے تیس برس تک فرانس کا مقابلہ کیا انشاء اللہ
پندرہ برس تک تو میں بھی طرابلس کی آزادی کے لئے لڑ سکتا ہوں
اس عرضی پر انھیں اجازت مل گئی۔ یہ فوراً طرابلس روانہ ہو گئے وہاں
پہنچ کر انھوں نے اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھلائے جس کی مثال
تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ سب سے پہلی لڑائی جس میں شریک تھے۔

بن غازی میں ہوئی۔ یہ طرابلس کے ساحل پر ایک مقام ہے۔
یہ سورج نکلنے سے پہلے تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ
دشمن کی تلاش میں نکلے۔ تھوڑی دور پہنچ کر سو سو آدمیوں کی دو ٹولیاں
علیحدہ علیحدہ روانہ کر دیں۔ ان کے ساتھ صرف سو آدمی رہ گئے یہ
تھوڑی دور چلے جا رہے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور ہتھیاروں
کی جھنکار سنائی دی۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ اٹلی کی فوج ہے لیکن نماز
کا وقت قریب آ گیا تھا اس لئے انھوں نے اس بات کا تو بالکل
خوف نہ کیا کہ دشمن سر پر آ گیا ہے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز پڑھنے لگے۔
امیر علی، پچاس آدمیوں کے ساتھ نماز کی نیت کر رہے تھے اور
پچاس آدمی حفاظت کے لئے تھے یکایک اٹلی کی فوج سامنے آگئی
اس میں دو ہزار سے زیادہ آدمی تھے اس فوج نے جو دیکھا کہ تھوڑی
جماعت ہے اور اس میں بھی آدھے نماز میں مصروف ہیں تو بڑے
زور شور سے خوشی کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں کی اس تھوڑی جماعت کو
ذرا بھی ہراس نہ ہوا انھی پچاس آدمیوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دو ہزار
دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ ان کی ہمت وجرات نے اٹلی کی فوج کے ہاتھ

پاؤں شل کر دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان پچاس آدمیوں نے اپنے سے دگنی تعداد کا خاتمہ کر دیا۔ امیر علی مع اپنے ساتھیوں کے اطمینان کے ساتھ نماز میں مصروف رہے جب نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے یہ بھی دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، سو سو آدمیوں کی ٹولیاں جو امیر علی نے آگے روانہ کی تھیں ان میں سے ایک ٹولی اور آکر شامل ہو گئی اور دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ امیر علی پاشا کا یہ حال تھا کہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتے تھے تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے بجلی کی طرح دشمن کی فوج میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے تھے۔ ایک مرتبہ پندرہ بیس منٹ گذر گئے اور نظر نہ آئے ان کے ساتھیوں نے یہ سمجھ لیا کہ شاید وہ شہید ہو گئے لیکن اس خیال سے ان کی ہمتوں میں کچھ فرق نہ آیا۔ بلکہ اب انھوں نے پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ حملہ کر دیا کہ جب ہمارا سردار شہید ہو گیا ہے تو اب ہمیں جینے کی کیا ضرورت ہے تھوڑی دیر کے بعد ایک جماعت دشمنوں کی صفیں الٹتی ہوئی دور تک چلی گئی وہاں جاکر دیکھا کہ امیر علی زندہ اور سلامت ایک ریت کے تودے کی آڑ میں کھڑے ہیں، سینے میں دو گولیاں لگی تھیں

ان میں سے خون بہ رہا تھا لیکن تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے تھے اور دشمن کے کسی آدمی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ان کے پاس جائے۔ تھوڑی دیر میں مسلمانوں کی ٹولیاں جو آکر شریک ہوتی گئیں تو اٹلی کی فوج کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی کوئی بہت بڑی فوج چھپی ہوئی ہے جو تھوڑی تھوڑی کر کے نمودار ہوتی ہے۔ اسی خیال میں تھے کہ تیسری سو آدمیوں کی جماعت بھی تکبیر کا نعرہ بلند کرتی ہوئی آ گئی۔ یہ آواز سنتے ہی اٹلی کی فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی اور اس کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ان کا پانچ میل تک پیچھا کیا۔ اٹلی کے سپاہی تلواروں کی ضرب سے گرتے تھے لیکن مقابلے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آخر کار بری طرح بھاگ کر جان بچائی اور مسلمان فتح کی خوشی مناتے واپس آئے۔

اس تھوڑی جماعت نے جو بہت بڑی فوج پر فتح پائی اس کا سبب خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے۔

"اگر تم میں سے بیس ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب ہوں گے کیوں کہ وہ (کافر) سمجھتے نہیں۔"

علی میر غنیشی

(حُبِّ وطن)

بھیک مانگنے والوں میں عزت اور وطن کی محبت تو کیا اور بہت سی اخلاقی خوبیاں نہیں ہوتیں لیکن طرابلس کے عربوں کی یہ حالت نہیں۔ ان میں ادنیٰ اور اعلیٰ امیر و فقیر سب میں عزت اور وطن کی محبت پائی جاتی ہے۔ اس کا ثبوت علی میر غنیشی کا واقعہ ہے۔ یہ طرابلس میں بھیک مانگتا تھا جب اٹلی نے اپنی فوج یہاں اتار دی اور جنرل کینوا نے جس کے ہاتھ میں اس فوج کی کمان تھی شہر کے بہت سے عربوں کو قتل کرا دیا اور بہت سے اپنی جان بچا کر بھاگ گئے تو کچھ لوگ ترکی فوج کے افسر نشات بے کے پاس پہنچے۔ ان میں علی میر غنیشی بھی تھا اس نے دوسرے دن شام کو نشات بے کے پاس آ کر کہا "میں ایک چیز مانگتا ہوں"۔ نشات بے نے کہا "ہمارے پاس کیا ہے؟ ہمیں تو تمھاری مدد کی ضرورت ہے"۔ علی میر غنیشی بولا "میں کچھ دینے کے لئے ہی ایک چیز مانگتا ہوں۔ مجھے ایک گھوڑا چاہئے"، نشات بے نے کہا

آج کل ہمارے پاس سب سے زیادہ قیمتی چیز یہی ہے" علی میر غیشتی نے
بے پروائی سے جواب دیا "میں تم کو ایسی چیز دونگا جس سے زیادہ قیمتی
چیز میرے پاس نہیں ہے۔ میں اپنے کل والے شہری بھائیوں کے
پاس جانا چاہتا ہوں" یہ سن کر نشات بے کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا
آئے۔ پھر کہنے لگے "خالی گھوڑا کیا ہوگا تمھارے کاندھے پر تو کچھ
ہے ہی نہیں۔ علی میر غیشتی نے گردن ہلائی اور کمر بند سے ایک زنگ آلود
خنجر نکال کر کہا "مجھ کو دور سے بندوق کا نشانہ لگانا نہیں آتا۔ میں
اٹلی کے افسر کے سامنے جا کر باتیں کرنا چاہتا ہوں" نشات بے
نے اسی وقت گھوڑا منگوا دیا۔ یہ اس پر سوار ہو کر دوڑتا ہوا
اٹلی کی فوج کی طرف گیا۔ اٹلی کے سپاہیوں نے یہ سمجھا کہ کوئی
ترک پیغام لا رہا ہے اس لئے انھوں نے کچھ خیال نہ کیا جب
علی میر غیشتی وہاں پہنچ گیا تو گھوڑے سے اتر کر نہایت بے باکی
سے سوال شروع کر دئیے۔ وہاں عربی کوئی سمجھتا نہ تھا اس لئے
ایک یونانی کو جو قریب ہی ایک ہوٹل میں ٹھیرا ہوا تھا بلایا۔ اس
نے آکر اس سے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے کہا "میں اطالوی

عیسائیوں کے بڑے سردار سے ملنے کے لئے آیا ہوں"۔ یہ کہنے کے
ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ جب اس یونانی نے
اس کا ترجمہ ایک اٹلی کے افسر کو سنایا تو وہ حقارت سے ہنس
دیا اور درختوں کی طرف جہاں عربوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔
اشارہ کیا۔ یہ غریب ہتھیار رکھنے کے جرم میں اسی دن صبح قتل کئے گئے
تھے۔ علی میر غنیشی نے جو وہ لاشیں دیکھیں تو مارے غصے کے بے اختیار
ہو گیا اور خنجر نکال کر اس افسر کے سینے میں گھونک دیا۔ وہ افسر تڑپ
کے وہیں گر پڑا۔ پھر اس نے چاروں طرف وار شروع کر دئے۔ اور
سینکڑوں اطالوی اس کے گرد کھڑے تھے لیکن کسی کو گرفتار کرنے
کی ہمت نہ ہوتی تھی اور یہ ایسی تیزی سے حملہ کر رہا تھا جیسے بجلی چمکتی
ہے۔ اس نے اس خنجر سے تین سپاہیوں کو مار ڈالا اور تین کو زخمی
کیا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک سپاہی نے بندوق مار دی۔ اس کے
گولی لگی لیکن یہ برابر حملہ کرتا رہا۔ پھر دوسری گولی ماری۔ اس پر
بھی نہ گرا۔ جب تیسری گولی ماری تو زخمی ہو کر گر پڑا۔ گرتے ہی اٹلی
کے سپاہی ٹوٹ پڑے اور تلواریں مارنے لگے۔ علی میر غنیشی نے

گر کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور بار بار کلمہ پڑھتا تھا۔ اٹلی کے سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر الگ پھینک دیا اور لاش کا قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ پھر بڑی دیر تک بوٹ جوتوں سے کچلتے رہے۔
گو علی میر غنیشی کا اب تو نشان بھی نہ رہا ہو گا لیکن اس کا نام زندہ ہے اور ہمیشہ عزت کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اور اس کی ہمت و جرات کی تعریف کی جائے گی۔

معصوم فاطمہ

(ایثار اور ہمدردی)

طرابلس کی لڑائی میں جو عرب لڑنے آتے تھے وہ قبیلے کے قبیلے آتے تھے اپنے ساتھ بیوی بچوں کو بھی لاتے تھے۔ مرد تو دشمنوں سے لڑتے تھے اور عورتیں لاشیں اٹھاتی تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور شفاخانے میں ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ان کاموں میں لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنی ماؤں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ فاطمہ نے زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت اپنے ذمے لی تھی۔ یہ طرابلس کے سب سے بڑے قبیلے کے سردار عبداللہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس وقت اس کی عمر دس گیارہ برس ہی کی ہو گی لیکن اس نے ایسی ہمت اور دلاوری کا کام کیا جو اچھے اچھے بہادروں سے نہ بن پڑا تھا۔ گولیوں اور گولوں کا مینہ برس رہا تھا لیکن یہ بے پروائی کے ساتھ اپنی چھوٹی سی مشک لئے ہوئے زخمیوں کو پانی پلاتی پھرتی تھی ایک دن بڑے زور شور کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اٹلی کی فوج گولے برسا رہی تھی، گولے آآ کر پھٹ رہے تھے اور لاش پر لاش

گر رہی تھی۔ تمام میدان میں دھواں ہی دھواں ہو رہا تھا۔ اس قیامت میں فاطمہ کو اپنی جان کا خوف نہ تھا۔ زخمیوں کو پانی پلانے کی بس ایک دھُن تھی دوڑی دوڑی پھرتی تھی۔ جو زخمی ہو کر گرتا تھا اس کے پاس بجلی کی طرح جاتی تھی اور اپنے ننھے ہاتھوں سے پانی پلاتی، اسمٰعیل ثباتی ایک ترک افسر کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کو فکر ہوئی کہ گولیاں برس رہی ہیں، گولے پھٹ رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ننھی سی جان ضائع ہو جائے اس لئے یہ انتظار کرنے لگے کہ اب کے فاطمہ دکھائی دے تو پکڑ لوں گا اور سمجھاؤں گا کہ اپنی جان کی کیوں دشمن ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد فاطمہ قریب سے گذری۔ انھوں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "بچی تو نہیں جانتی کہ تو اپنے باپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔" فاطمہ نے ہاتھ کو جھٹکا دے کر کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ یہاں کتنے مسلمان پیاس سے جان توڑ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گئی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

ایک دن اٹلی کی بارہ ہزار فوج نے بہت بڑا حملہ کیا۔ عرب اور ترک تین ہزار سے بھی کم تھے لیکن اتنی تعداد پر بھی ایسی بہادری سے لڑے کہ اٹلی کی فوج کے چھکے چھڑا دئے۔ یہ لڑائی دن بھر ہوتی رہی۔ فاطمہ اس

لڑائی میں بھی برابر موجود رہی اور اپنا کام کرتی رہی۔ دوپہر کا وقت تھا اس کا
چہرہ دھوئیں اور دھوپ سے جھلس گیا تھا۔ اٹلی کی فوج دو طرف سے
آگ برسا رہی تھی لیکن اس کے نزدیک یہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس کو بس ایک فکر
تھی کہ کوئی زخمی پیاسا نہ رہ جائے۔ عصر کے وقت عرب اور ترک دشمنوں
پر ٹوٹ پڑے اور ان کی صفوں میں گھس کر تلواروں سے کاٹنا شروع
کر دیا۔ احمد نوری بک ترکی افسر اپنی تھوڑی سی جماعت لے کر دشمن کے توپ
خانے تک بڑھتے ہوئے چلے گئے۔ توپوں کے پاس اٹلی کے بہت سے
سپاہی کھڑے تھے جو اب تک لڑائی میں شریک نہ ہوئے تھے انھوں نے
ترکوں کی تھوڑی سی جماعت دیکھی تو چاروں طرف سے گھیر کر بندوقوں کے
فیر کرنے لگے۔ ترک تلواروں کے ہاتھ مارتے ہوئے صاف بچ کر نکل آئے
صرف چار ترک زخمی ہو کر گر پڑے۔ اٹلی کے بے رحم سپاہی ان زخمیوں کے
بھی سنگینیں چبھونے لگے۔ فاطمہ نہ معلوم کس طرح یہاں پہنچ گئی تھی۔ اس نے جو ترک
زخمیوں کو دیکھا تو لپک کر آئی اور ایک زخمی کے منہ سے اپنی مشک لگا دی۔ ابھی اس کے
حلق سے ایک گھونٹ بھی نہ اترا تھا کہ دو اٹلی کے سپاہیوں نے بڑھ کر
فاطمہ کا گردن کے پاس سے گریبان پکڑ لیا۔ اس نے چھڑانا چاہا لیکن

نہ چھڑا سکی۔ قریب ہی ایک زخمی ترک کی تلوار پڑی ہوئی تھی، اس نے اٹھا کر اس زور سے ماری کہ اس کے داہنے ہاتھ کا پہنچا زخمی ہو کر لٹک گیا۔ سپاہی نے گریبان تو چھوڑ دیا لیکن بائیں ہاتھ سے اس نے سنگین مار دی۔

بے چاری فاطمہ زخمی ہو کر گر پڑی۔ یہ وہ وقت تھا کہ فاطمہ جن ہاتھوں سے دوسرے زخمیوں کو پانی پلاتی تھی اب ان ہی ہاتھوں سے خود پانی پیتی۔ لیکن نہیں اس حال میں بھی اسے اپنی فکر کچھ نہ ہوئی۔ مرتے مرتے بھی اپنی تکلیف سے زیادہ اسے دوسرے کی تکلیف کا خیال تھا۔ وہ گھسٹتے ہوئے ایک ترک کے پاس پہنچی اس کو پانی پلانا چاہا۔ لیکن پلا نے نہ پائی تھی کہ خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ عرب اور ترک جب دشمنوں کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ چار ترک زخمی پڑے ہیں۔ انھی کے پاس فاطمہ کی لاش اس حالت میں پڑی ہے کہ مشک کا منہ ہاتھ میں ہے اور مشک ایک بے ہوش ترک کے سینے پر پڑی ہے۔ وہ کہا کرتی تھی کہ مجھے سرخ رنگ بہت پسند ہے۔ آج وہ اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔

فاطمہ پر خدا کی رحمت اور برکت ہو۔

پناہ دے دی تو پھر حوالے کیوں کیا؟

(پاس عہد)

۱۹۱۱ء سے پہلے طرابلس گمنامی کی حالت میں تھا۔ لڑائی کی وجہ سے جس طرح اس ملک کا نام بچہ بچہ کی زبان پہ آ گیا، اسی طرح ان عجیب و غریب واقعات نے جو اس لڑائی کے دوران میں ظہور میں آئے اس کا نام آسمان تک بلند کر دیا۔ یہاں جو عرب آباد ہیں ان کی نسبت کوئی نہیں جانتا تھا کہ جہاں ان کی رگوں میں صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کا خون دوڑ رہا تھا (جن کی یہ اولاد ہیں) اسی کے ساتھ ان میں اپنے اسلاف کی اعلیٰ سیرت بھی محفوظ ہے۔ اٹلی اور ترکی کی لڑائی نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ طرابلس کے عرب مذہبی حمیت، قومی غیرت، ثابت قدمی و استقلال، شجاعت و ہمدردی، حب الوطنی، سچائی اور راست بازی، پابندی عہد وغیرہ اعلیٰ صفات میں صحابہ کرام کے سچے نمونے ہیں اور ان میں وہی شرافت کا جوہر موجود ہے۔ جو ان کے بزرگوں میں تھا اگر تم نے اس لڑائی کے حالات پڑھے ہیں تو تم اس بیان کی تصدیق

کر سکتے ہو۔ اور پہلے جو دو ایک قصے پڑھ چکے ہو اس سے بھی کچھ اس کی
سچائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ قصے کچھ کم عجیب نہیں ہیں لیکن ان سے
بھی زیادہ ایک عجیب اور حیرت ناک واقعہ ہے جس میں تم کو انتہائی حمیت
اور غیرتِ ہندی کی ایک روشن تصویر نظر آئے گی وہ واقعہ یہ ہے کہ
ایک عرب کا مکان لڑائی کے میدان سے بہت نزدیک تھا۔ اس کا
ایک لڑکا سات آٹھ برس کی عمر کا تھا اسے گھر میں چھوڑ کر وہ لڑائی پر
چلا گیا وہاں بہت زور شور کی لڑائی ہوئی۔ خدا نے عربوں کو فتح دی
اور اُٹلی والے ہار کر بھاگنے لگے۔ اُٹلی کی فوج کا افسر جب بھاگا تو
اس کے پیچھے دو عرب اور ایک ترک افسر دوڑے وہ بھاگ کر عرب
کے پاس سے گزرا جو لڑائی پر تھا۔ اس کا لڑکا کھجوروں کے جھنڈ میں
کھیل رہا تھا۔ اُٹلی کی فوج کے بھاگے ہوئے افسر نے اس معصوم بچے
سے التجا کی کہ مجھے پناہ دو۔ اور کہیں چھپنے کے لئے جگہ بتا دو، میرے
پیچھے کچھ لوگ مجھے گرفتار کرنے آرہے ہیں، یہ کہہ کر اس افسر نے لڑکے
کو دو اشرفیاں دیں۔ لڑکے نے اشرفیاں لے کر اس کو اناج کی ایک
کوٹھری میں بند کر دیا۔ اور پھر اپنی جگہ آکر کھیلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں عرب

اور ترک اس اطالوی کو ڈھونڈھتے ہوئے آئے۔ قدموں کے
نشان صرف اسی مکان تک تھے اس لئے وہ یہاں آکر کھڑے
ہوئے۔ ترک افسر نے لڑکے کو بلاکر دریافت کیا کہ ادھر سے کوئی
اٹلی والا گذرا ہے۔ لڑکا یہ سن کر پہلے تو ہنسا، پھر گردن ہلا کر بولا "ہاں
ابھی ابھی گیا ہے۔ تھوڑی دور پر مل جائے گا۔" وہ عرب اور ترک
تیز تیز آگے بڑھے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر وہیں واپس آئے اور اس
لڑکے سے کہا آگے تو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر تمھیں ٹھیک طور پر معلوم
ہو تو بتا دو۔"

لڑکے نے کہا مجھے اس سے زیادہ معلوم نہیں۔" یہ کہہ کر وہ
ایک طرف کھیلنے لگا۔ ترک افسر نے عرب ساتھی سے کہا "معلوم ہوتا ہے
اطالوی کا حال اس کو معلوم ہے اور جان بوجھ کر ہمیں پریشان کرتا ہے
دیکھو میں ایک تدبیر سے دریافت کرتا ہوں یہ کہہ کر ترک افسر نے اپنی
جیب سے گھڑی نکالی اور لڑکے کو دکھا کر کہنے لگا۔ دیکھو یہ کیسی اچھی
گھڑی ہے۔ سنہرے ہندسے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی زنجیر
بھی بہت ہی نفیس ہے، میرے پاس آؤ میں اس کا ڈھکن کھول کر

اندر کے پرزے تمھیں دکھاؤں۔ لڑکا ترک افسر کے پاس چلا گیا۔ اس نے
گود میں اٹھا کر گھڑی کو خوب لوٹ پلٹ کر دکھایا اور پھر کہنے لگا "تم لوگے؟"
لڑکا للچائی نظر سے گھڑی دیکھ کر مسکرا دیا جس سے اس کا منشا معلوم ہو گیا
ترک نے کہا یہ گھڑی تم لے لو اور اطالوی کا پتہ بتا دو جس کو تم نے اپنے
گھر میں چھپا رکھا ہے۔ دیکھو وہ تمھارے بزرگوں کی زمین اور ملک لینے
کے لئے تم سے لڑ رہے ہیں تم کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں، تمھارا باپ
بھی ان ہی سے لڑنے گیا ہے۔ افسوس ہے کہ تم ایک عرب کے بچے ہو کر
دشمن کو اپنے گھر میں جگہ دیتے ہو جو تمھارے ملک کو برباد اور ویران کرنے آیا
ہے اور تم کو تباہ و مفلس بنانے والا ہے۔ جب تمھارا باپ آئے گا اور اُسے
معلوم ہوگا کہ تم نے ایسی خراب حرکت کی تو وہ تم کو بہت مارے گا۔ اس سے
یہی اچھا ہے کہ تم اسے ہمیں بتا دو۔ اور یہ گھڑی لے لو" یہ کہہ کر ترک نے اپنی
سنہری گھڑی اس لڑکے کی جیب میں ڈال دی۔ جب اس نے گھڑی اپنی
جیب میں دیکھی بہت خوش ہوا اور اشارے سے وہ کوٹھری جس میں وہ اطالوی
چھپا ہوا تھا بتا دی۔ دو آدمی اُس کوٹھری میں گھسے اور اٹلی والے کو پکڑ کر لے
آئے۔ لڑکے کی شرافت اور ایمانداری دیکھو جب اطالوی باہر آیا تو اس نے

اس کی دی ہوئی دونوں اشرفیاں اس کے سامنے زمین پر پھینک دیں اور کہا کہ "جب میں تمھاری مدد نہ کر سکا تو اب میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تم واپس لو۔" وہ ترک اور عرب اس اطالوی کو پکڑ لے گئے۔ جب شام ہوئی تو اتفاق سے اس لڑکے کا باپ اپنے گھر آیا لڑکے کو دیکھ کر خوش ہوا۔ جوش میں آکر گود میں اٹھالیا غنیمت کے مال میں سے جو دو چار اچھی چیزیں لایا تھا وہ اس کو دیں اور اسے ساتھ لے کر اندر گیا۔ بیوی نے کھانا سامنے رکھا اور دونوں باپ بیٹوں نے کھانا شروع کیا۔ بیوی نے کہا۔ "آج عجب قصہ ہوا تمھارے بیٹے نے آج خوب کمائی کی۔ دیکھو کیسی اچھی گھڑی اس کی جیب میں ہے۔" باپ گھڑی دیکھ کر بولا "یہ کہاں سے آئی کس نے دی؟ لڑکے کی ماں نے سب قصہ کہنا شروع کیا۔ جب یہاں تک بیان کیا کہ ایک اطالوی کو اس نے پناہ دی اور اناج کی کوٹھری میں بند کر دیا تو باپ بہت خوش ہوا، بیٹے کو سینے سے لگایا۔ پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا "وہ ہمارا مہمان کہاں ہے اس کو لاؤ ہمارے ساتھ وہ بھی کھانا کھائے۔" بیوی نے کہا، ابھی سنتے جائیے۔ یہ کہہ کر اس نے ترک افسر کا آنا، لڑکے کا باتیں بنانا تمک کا گھڑی دے کر لڑکے کو بہلانا اور پھر اس کو اطالوی کے حوالے

کر دینا حرف بحرف سنا دیا۔ عرب یہ باتیں سنتا جاتا تھا اور اس کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ اور چہرہ سُرخ ہوتا جاتا تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ اس نے اطالوی کو ترک افسر کے حوالے کر دیا اور یہ سنہری گھڑی اس سے انعام میں پائی۔ پھر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے لڑکے کو دھکیل دیا اور کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ بندوق اٹھا کر لڑکے سے کہا آگے چل۔ ماں لڑکے کو بچانے دوڑی عرب نے بندوق کا کندہ مار کر بیوی کو ہٹا دیا۔ اور کہا۔ "ایسا بے حمیت اور لالچی لڑکا ہماری قوم کے حق میں کلنک کا ٹیکا ہے، جب یہ بڑا ہوگا تو نہ معلوم ہمارے بزرگوں کی عادتوں اور دستور کے کہاں تک خلاف کرے گا۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ زندہ نہ رکھا جائے اطالوی دشمن اور کافر سہی لیکن جب پناہ دے دی تو پھر حوالے کیوں کیا؟ چاہے جان چلی جاتی لیکن اُسے نہ بتایا ہوتا۔" اس لڑکے کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی، ماں بہت روئی، چلائی، یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر پڑی لیکن باپ نے اس کی پروا نہ کی۔ لڑکے کو جنگل میں لایا اور کہا۔ "قبلہ رو کھڑے ہو۔" وہ لڑکا قبلہ رو کھڑا ہو گیا۔ باپ نے اپنی آنکھوں سے پٹی باندھ لی تاکہ محبت زندہ چھوڑ دینے کی سفارش نہ کرے۔ پٹی باندھے ہوئے اس نے بندوق

کافر کیا۔ گولی لڑکے کے سینے میں لگی۔ اور وہ خاک و خون میں تڑپنے
لگا۔ اسے وہیں چھوڑ کر گھر آیا۔ یہاں دیکھا کہ بیوی مُردہ پڑی ہے۔
اس نے اس کا بھی خیال نہ کیا۔ شجاعت کی روشنی سے اس کا چہرہ
روشن ہو رہا تھا۔ صبح کو ماں بیٹے کی تجہیز و تکفین کی گئی اور عرب
پھر لڑائی پر چلا گیا۔ جب یہ قصّہ اس کے بڑے افسر نے سُنا
تو اس نے اس ترک کو بلا کر سارا حال کہا اور دوسرے افسروں
کو حکم دیا کہ یہ ترک ہرگز زندہ نہ رکھا جائے۔ کیوں کہ اس نے
ایک عرب مسلمان کو دھوکا دیا۔ چنانچہ یہاں وہ ترک افسر تھی
پھانسی پر چڑھایا گیا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ تین جانیں جاتی تھیں
وہ گئیں لیکن قومی غیرت و حمیت کا سبق ہمیشہ کے لئے باقی
رہ گیا۔

"لیلیٰ! کیا تم ہو؟"

(حُبِّ وطن)

سچی بہادری اور اصلی حمیت کا سبق ترکوں اور طرابلس کے عربوں سے حاصل کرنا چاہیئے۔ ان کا ہر فرد اسلامی جوش اور وطن کی محبت کا مجسم پُتلا ہے۔ مذہب اور ملک نے جو فرض ان پر عاید کیا وہ اس کا اپنے دل میں صحیح اور کامل احساس رکھتے ہیں ان کی انتہائی قومی غیرت اور وطن پرستی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ بہن نے اپنے بھائی کو، دُلہن نے اپنے دولہا کو اور ماں نے اپنے جگر گوشوں کو اس میدان میں بھیج دیا۔ جہاں موت اور ہلاکت کی بارش ہوتی ہے۔

بن غازی کے قریب ایک بوڑھا عرب رہتا تھا۔ اس کے سات آٹھ بیٹے اور فاطمہ نامی ایک بیٹی تھی جس کی عمر کوئی اٹھارہ سال ہوگی۔ پانچ بیٹے تو ترکوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہو گئے تھے ایک نوجوان بیٹا مصطفیٰ اور دو ایک کم سن بچے گھر ہی پر تھے مصطفیٰ کا ابھی سبزہ آغاز تھا، اپنے ماموں کی لڑکی لیلیٰ سے اس کی شادی قرا

پائی تھی، دونوں آپس میں اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کو ایک لمحے
کی جدائی بھی شاق تھی۔ مصطفےٰ کو اس خیال نے اب تک لڑائی میں شریک
ہونے سے روک رکھا تھا کہ اگر میں چلا گیا اور دشمن یہاں تک آ گیا تو
میرے خاندان کی کون حفاظت کرے گا اور لیلیٰ کو کنیز ہونے سے
کون بچائے گا لیکن اس کے بوڑھے باپ کو وطن کی محبت اور مذہبی
حمیت کے خیال سے نہایت افسوس تھا۔ کہ مصطفےٰ نے اب تک
اپنے بھائیوں کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ اور وطن پر جان نثاری کے
لئے کیوں نہ تیار ہوا۔ اسی فکر میں وہ ایک روز چاندنی رات میں سبزے
کے فرش پر اپنے خیمے کے سامنے بیٹھا تھا بوڑھا عرب کبھی آسمان کی
طرف دیکھتا تھا اور کبھی سر جھکا کر زمین کو دیکھتا تھا۔ یکایک اس کی نظر
مصطفےٰ پر پڑی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور کہا "مصطفےٰ یہ کیا بات ہے
کہ تمھیں زندہ رہنے کی فکر ہے اور پانچ بھائیوں کے ساتھ جنھوں نے
سلطان کی حمایت میں اپنا خون بہانا اور بدن پر گولیاں کھانا خوشی
سے گوارا کیا ہے شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ تم
بہادر ہو، عالی ہمت ہو، تم نے شہسواری میں بار ہا بازی جیتی ہے

تمھاری دلیری اور بہادری کی شہرت ہے۔ میں اپنے قبیلے میں تم پر فخر کرتا ہوں، تمھاری ذات پر مجھے پورا بھروسہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تم خاندان کے نام کو روشن کرو گے، مجھے اُمید تھی کہ جب دشمن نے اس ملک پر قدم رکھا تو اس وقت تم سب وطن کے فدائیوں سے دو قدم آگے رہو گے، اور نشان ہاتھ میں لے کر اپنے قبیلے کے سامنے ہمت و جرأت کی ایک عمدہ مثال پیش کرو گے لیکن افسوس ہے کہ میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم لڑائی سے جی چراتے ہو۔ نہ تم گھوڑے پر سوار ہوئے نہ تم نے تلوار کمر سے باندھی، تمھاری ماں کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں بیٹھے ہو، خون کے آنسو روتی ہے وہ نہایت حسرت سے کہتی ہے "کاش مصطفےٰ میرے پیٹ میں نہ ہوتا، کاش میں اپنا دودھ جس میں بہادری کا خون شامل ہے اسے نہ پلاتی۔"

اتنا کہہ کر بوڑھے عرب کا چہرہ غصے کے مارے سُرخ ہو گیا اور بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ ایک لمحہ توقف کے بعد پھر اس نے بلند آواز سے کہا "مصطفےٰ! کیا میں نے تمھاری پرورش میں اسی دن کے لئے

تکلیفیں اٹھائیں اور سختیاں جھیلی ہیں کہ تم عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی قوم کی رسوائی کا باعث بنو۔ تم نے عرب کا نام ڈبو دیا۔ تم نے ہماری عزت کو داغ لگا دیا۔ اور ہمیں اپنی قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔"

مصطفےٰ سر جھکائے یہ باتیں سن رہا تھا اور شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا تھا۔ جب باپ کی تقریر ختم ہو گئی تو اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ابا جان میں لڑائی سے اس لئے جان نہیں چراتا کہ میں بزدل ہوں اور نہ اس لئے کہ میرے دل میں دشمن کا خوف ہے۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میرا دل فولاد کا بنا ہوا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں کشت و خون سے نہیں گھبراتا۔ میں صرف اس خیال سے لڑائی میں نہیں جاتا کہ میرے پیچھے دشمنوں سے گھر کی حفاظت کون کرے گا۔ اگر وہ ناگہانی طور پر ہمارے قبیلے پر آ پڑیں اور بوڑھے ضعیف مردوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالیں اور بچوں کو اپنی بے دردی اور بے رحمی کا شکار کریں اور نوجوان لڑکیوں کو پکڑ کر لے جائیں تو کون ہے جو ان کا مقابلہ کرے گا؟ میرے پانچ بھائی

میدان کو سدھار گئے۔ اب آپ ہیں یا والدہ ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں بڑھاپے کی وجہ سے مجبور ہیں، رہ گئے کمسن بھائی وہ خود بے بس ہیں کسی کی کیا مدد کریں گے ایسی حالت میں میرا دہا سرا سرنا عاقبت اندیشی ہے" مصطفٰے ابھی پوری بات کہنے نہ پایا تھا کہ اس کی ماں غصّے میں بھری ہوئی خیمے سے باہر آئی اور گرج کر کہا "کیا تمھیں اُمید ہے کہ تمھارا یہ عذر صحیح سمجھا جائے گا؟ مصطفٰے تم کو خود اس عذر سے شرمانا چاہیئے تھا" یہ کہہ کر وہ چپ ہوئی کہ دوبارہ خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک نوجوان لڑکی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے باہر نکلی اور بلند آواز سے کہا "بھائی مصطفٰے! میں اس تلوار سے قبیلے کی حفاظت کروں گی۔ اٹھو اپنے گھوڑے پر سوار ہو، تلوار کمر سے باندھو اور اپنے بھائیوں سے جا ملو، وہ تمھارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر تم اس لڑائی میں نہ شریک ہوئے تو یاد رکھو کہ خاندان کی بدنامی کے تم ہی ذمّہ دار ہو گے۔" مصطفٰے نے سر اٹھا کر بہن کی طرف دیکھا اور ندامت کے لہجے میں کہا "بہن فاطمہ تمھاری ہمت وجرات پر آفرین ہے لیکن میں اپنی ماموں زاد بہن لیلٰی کو دشمنوں کے حملے سے کس طرح محفوظ خیال کر دوں؟

میری غیرت تو تقاضا نہیں کرتی کہ میں اس کو دشمنوں کی لونڈی بننے کے لئے چھوڑ جاؤں۔"

مصطفیٰ کی ماں نے چلا کر کہا۔" اچھا! اب میں سمجھی تم اس کی جدائی کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس کی محبت کے نشے میں تم اس فرض کو بھول گئے جو ملک اور قوم کی طرف سے تمہاری گردن پر ہے۔ مصطفیٰ یاد رکھو کہ جو شخص اپنے خاندان اور اپنی قوم کی عزت دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رکھتا، وہ مرد نہیں ہے۔ میں صاف کہتی ہوں کہ اگر تم لڑائی پر نہ گئے تو میں آج سے تمہارا منہ نہیں دیکھوں گی۔ مجھے اس دودھ پر افسوس ہے جو میں نے تمہاری پرورش پر خرچ کیا ہے۔"

ایک اور نوجوان حسین لڑکی خیمے کے پیچھے کھڑی ہوئی یہ تمام باتیں سن رہی تھی۔ مصطفیٰ کی والدہ نے اپنا آخری جملہ تمام ہی کیا تھا کہ وہ خیمے کے اندر گئی اور وہاں سے نہایت شیریں لہجے میں کہا:۔

"مصطفیٰ! مصطفیٰ! کیا ہم نے باہم یہ اقرار نہیں کیا تھا کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق ہم ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ قایم کریں گے اور زندگی بھر ایک دوسرے کے رفیق رہیں گے؟ اب یہ عہد اس خیال سے

توڑتی ہوں کہ ہماری قوم میں کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ لیلیٰ نے
ایسے نوجوان سے محبت کا رشتہ جوڑا ہے جو بہادر نہیں ہے اور
لڑائی سے جی چراتا ہے۔ یا تو تم خیمے سے باہر نکل کر میدان میں جاؤ۔ اور
قوم کی حمایت میں اپنے بھائیوں کا ساتھ دو، ورنہ میں فیصلہ کر چکی ہوں
نہ تم میرے ہو نہ میں تمھاری ہوں، میرا تمھارا رشتہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ
گیا۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے میں یہ فیصلہ ہرگز نہیں بدل سکتی
سب لوگ گواہ رہیں کہ جب تک مصطفےٰ مہر میں دس اطالیوں کا سر کاٹ کر
نہ لائے گا میں اسے شوہر نہ بناؤں گی"۔

مصطفےٰ کو لیلیٰ کی تقریر سے جوش آ گیا اور اس کے بدن میں بجلی
دوڑ گئی۔ وہ تن کر کھڑا ہو گیا اور اسی وقت تلوار کمر سے باندھی اور
گھوڑے پر سوار ہو کر ترکی فوج کی طرف روانہ ہو گیا اور ذرا دیر میں
دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا لیلیٰ مصطفےٰ کے اس طرح دفعتاً
چلے جانے سے پریشان ہو گئی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے
وسوسے آنے لگے۔ وہ بے چین ہو کر اٹھی اپنے خیمے میں پہنچ کر زنانہ
لباس اتار ڈالا اور مردانہ لباس پہن لیا۔ صرف چہرہ نقاب سے چھپا لیا

تھا۔ پھر تلوار گلے میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اور بلا کسی کو خبر
کئے ہوئے ترکی فوج کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہوگئی۔ یہ پڑاؤ بن غازی
کے سامنے ایک میدان میں تھا۔ یہاں پہنچ کر لیلیٰ نے دیکھا کہ مصطفےٰ اپنے
بھائیوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہے۔ اس وقت اطالیوں کی فوج
اپنے مورچوں سے باہر نکل آئی تھی اور ترکی فوج کی طرف اُمڈی چلی
آرہی تھی۔ یہ دیکھ کر عربوں اور ترکوں نے فوراً ہتھیار سنبھالے اور نہایت
جوش کے ساتھ آگے بڑھے۔ اطالیوں نے اپنی توپوں سے آگ برسانی
شروع کی لیکن عرب اور ترک برابر آگے بڑھتے گئے اطالیوں کے
قریب پہنچ کر انھوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ تمام
جنگل گونج گیا اور اطالیوں کی صفوں میں ابتری پھیل گئی۔ پھر انھوں نے
نہایت تیزی سے اطالیوں پر حملہ کیا۔ اب دونوں طرف سے آگ
برسنی شروع ہوئی اور کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ لیکن لیلیٰ سائے کی طرح
مصطفےٰ کے ساتھ تھی۔ اس کی نظر برابر مصطفےٰ پر تھی اور وہ اس سے
ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوتی تھی کبھی وہ گھوڑا بڑھا کر اس کے برابر آجاتی
تھی کبھی پیچھے رہتی تھی۔ اور جب خطرے کا موقع ہوتا تھا تو وہ اس کو

ہٹاکر دوسری طرف لے جاتی تھی۔ مصطفےٰ کو حیرت تھی کہ یہ کون نقاب
پوش نوجوان ہے جس کو میرے ساتھ اس قدر ہمدردی ہے۔ لیلیٰ
سب کچھ کر سکتی تھی لیکن تقدیر پر کچھ قابو نہ تھا۔ یکایک ایک گولی
مصطفےٰ کی ران میں آکر لگی۔ وہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑا۔ اس
واقعے سے لیلیٰ کے دل پر جو گذری بیان نہیں ہو سکتا۔ گولی تو
مصطفےٰ کے لگی تھی لیکن اسے مصطفےٰ سے زیادہ تکلیف تھی۔ تاہم اس
نے اپنے حواس قایم رکھے اور فوراً مصطفےٰ کو اٹھایا۔ اور دو شخصوں
کی مدد سے ایسی جگہ لے گئی جہاں کچھ خطرہ نہ تھا۔ یہاں پہنچ کر اس
نے مصطفےٰ کا زخم دھو کر پٹی باندھی مصطفےٰ بالکل بے ہوش تھا جب
وہ ہوش میں آیا تو اس نے دیکھا کہ وہی نقاب پوش نوجوان سرہانے
بیٹھا ہے اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں مصطفےٰ
نے اپنے ساتھی کی اس ہمدردی کا دلی شکریہ ادا کیا لیلیٰ اس وقت
بے تاب ہو گئی۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ کر مصطفےٰ
کو محبت کی نظروں سے دیکھا مصطفےٰ نے حیران ہو کر کہا "کیا تم ہو؟"
لیلیٰ نے جواب دیا "ہاں میں وہی تمھاری کنیز ہوں جس کو تم جان سے

زیادہ پیارے ہو۔ تمھارے یہاں آنے کے بعد میرے دل کی
عجب حالت ہوگئی۔ مجھے تمھاری جدائی کی تاب نہ رہی میں نے
اپنے دل میں ٹھان لی کہ مردانہ لباس پہن کر جاؤں گی اور تمھاری
حفاظت کروں گی۔ اور ان ظالم دشمنوں سے لڑوں گی جنھوں نے
ہمارے ملک پر حملہ کیا ہے اور جو ہماری قوم کو دنیا سے نابود کرنا
چاہتے ہیں۔

اس کے بعد لیلیٰ نے مصطفیٰ کو گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے
قبیلے میں لے آئی۔ یہاں بہت روز تک علاج ہوتا رہا۔ جب مصطفیٰ
اچھا ہوگیا۔ تو پھر لڑائی پر روانہ ہوگیا۔ اور اس کی لیلیٰ بھی اس کے
ساتھ گئی۔ دونوں لڑائی میں مصروف رہے۔

غازی حسین نوری

(حُبِّ وطن)

طرابلس کی لڑائی ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بلغاریہ، سرویا۔ مانٹی نگرو اور ایران چار سلطنتوں نے مل کر ترکوں پر یورپ کے علاقے میں چڑھائی کر دی۔ ترکوں نے پہلے سے کچھ تیاری نہیں کی تھی اور نہ اس کے علاقے میں ان کی زیادہ فوج تھی۔ اس لئے ان کے ہاتھ سے بہت سی زمین نکل گئی۔ لیکن اس لڑائی میں بھی ترک بڑی بہادری سے لڑے اور ان کی عورتوں تک میں ایسا جوش تھا کہ انھوں نے بھی اپنے بیٹوں کو خوشی کے ساتھ لڑائی پر بھیج دیا جو لڑکے دشمنوں سے لڑنے کی خواہش کرتے تھے۔ مدرسے کے طالبِ علم غول کے غول ترکی وزیروں کے پاس جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو لڑائی پر بھیج دو۔ کئی لڑکے لڑائی میں شریک بھی ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے انھیں لڑکوں میں ایک حسین نوری بھی تھا جو اپنی ہمت اور بہادری کی وجہ سے تمام دنیا میں

مشہور ہوگیا۔ اس کے باپ حبیب عسکر فوج میں ملازم تھے۔ اسی لڑائی میں لولی برخاش مقام پر شہید ہو گئے، ان کی ایک بیوی تھی اور دو بچے تھے ایک تو یہی حسین نوری اور ایک اس سے چھوٹا تھا۔ جب ان بچوں کی ماں کو خبر ہوئی کہ اس کا شوہر شہید ہو گیا تو وہ سلطالجا چلی آئی یہاں اس لیے ارادہ کیا کہ میں ان دونوں بچوں کو لے کر قسطنطنیہ یا ایشیائے کوچک چلی جاؤں لیکن حسین نوری نے جانے سے انکار کیا۔ اور کہا میں ان دشمنوں سے اپنے باپ کا بدلا لوں گا اس وقت اس کی عمر کل تیرہ برس کی تھی۔ ماں نے اس کی جب یہ ضد دیکھی تو وہ چپ ہوگئی اور اپنے چھوٹے بچے کو لے کر قسطنطنیہ چلی گئی ماں سے رخصت ہونے کے بعد حسین نوری سیدھا ترکی فوج کے افسر کے پاس پہنچا اور اس سے کہا میرے باپ کو بلغاریوں نے شہید کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کے خون کا بدلا لوں۔ اس لئے مجھے تلوار بندوق دے دو۔ ترک افسروں نے یہ سمجھ کر کہ کمسن بچہ ہے یہ کیا جانے خون کسے کہتے ہیں، اور لڑائی کیسی ہوتی ہے اس لئے بہلا پھسلا کر لشکر میں رکھ لیا لیکن حسین نوری کو

کب چین آتا تھا۔ اس کو تو لڑنے کی دھن سوار تھی وہ زیادہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ لشکر میں اس نے دو تین دن مشکل سے کاٹے آخر ایک روز یہ خود ہی نکل کھڑا ہوا اور ان میدانوں اور جنگلوں میں جہاں انھیں دنوں کئی لڑائیاں ہو چکی تھیں پہنچ کر تلوار یا بندوق تلاش کرنے لگا اتفاق سے ایک بندوق اور چند کارتوس پڑے ہوئے مل گئے حسین نوری خوش خوش وہ دونوں چیزیں اُٹھا لایا۔ اور دوسرے دن جب ترکی فوج بلغاریوں سے لڑنے میدان میں پہنچی تو حسین نوری بھی اپنی بندوق اور کارتوس لئے پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر میں لڑائی شروع ہوئی اور دونوں طرف سے گولیوں کا مینہ برسنے لگا۔ ترکی فوج کی صفوں سے تھوڑے فاصلے پر ایک ترک افسر نے دیکھا کہ ایک لڑکا کھڑا ہوا بندوق سے جو اس کے قد سے بھی بڑی ہے دشمنوں پر گولیاں چلا رہا ہے اس افسر کو تعجب ہوا کہ کون ہے اور دریافت کرنے کے لئے لڑکے کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سامنے اس لڑکے نے سات فیر چلائے۔ ایک فیر تو خالی گیا اور چھ فیروں

میں جن کو اس نے تاکا اسی کے جا کے گودی لگی۔ افسر بڑی دیر تک یہ تماشا دیکھتا رہا۔ اسے حیرت تھی کہ اتنا کم عمر لڑکا اس پر اس کی یہ ہمت کہ گولیوں کا مینہ برس رہا ہے لیکن اس کو پروا نہیں اور نشانہ کیسا اچھا لگا رہا ہے۔ آخر اس افسر سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار اس لڑکے کو گود میں اٹھا لیا اور خود پیدل ہو کر لڑکے کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے عزت پاشا کے سامنے جو اس وقت ترکی فوج کی کمان کر رہے تھے لے جا کر پیش کر دیا۔ یہ لڑکا وہی حسین نوری تھا۔ عزت پاشا نے ترکی افسر سے کل واقعہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور حسین نوری کو شاباش دی اور امتحان کے لئے چاند ماری کرائی۔ حسین نوری نے کئی نشانے ٹھیک لگائے۔ اور سو میں پچاسی نمبر حاصل کئے۔ پھر تو فوج میں ہر شخص کی زبان پر حسین نوری کا نام تھا اور سپاہی اور افسر گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ اب حسین نوری کو تلوار بندوق وغیرہ سب ہتھیار دے دئے گئے اور سپاہیوں میں شامل کر لیا گیا۔ ایک دن حسین نوری پڑاؤ سے ذرا فاصلے پر ٹہلتا ہوا چلا گیا

وہاں ایک پہاڑی تھی۔ اس نے اس کے نیچے دیکھا کہ ایک شخص
دبے پاؤں درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ پکڑتا ہوا چلا آرہا ہے۔
حسین نوری نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کوئی دشمن کا جاسوس ہے۔ اب
وہ اپنے دل میں یہ کہنے لگا کہ اسے کسی طرح مارنا چاہیئے۔ یہ خیال
کرکے وہ ایک درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جاسوس
اس درخت کے پاس سے نکلا تو حسین نوری نے جلدی سے
پیچھے سے اس کے بال پکڑ کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ وہ زمین پر
گر پڑا۔ گرتے ہی اس نے پستول نکالنا چاہا لیکن حسین نوری نے
اس کا موقع ہی نہ دیا اور نہایت تیزی سے اپنی تلوار نکال کر ایک
ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی گردن کٹ کر الگ جا پڑی حسین نوری اپنی
بہادری پر بڑا خوش تھا کہ میں نے اپنے سے چوگنے آدمی کو
مار ڈالا۔ اسی وقت اس کی ٹوپی اور فوجی علامتیں تھیلے میں رکھ کر
عزت پاشا کے پاس گیا اور وہ تھیلا ان کی میز پر پھینک کر چپ
کھڑا ہو گیا۔ عزت پاشا کو پہلے تو کچھ برا معلوم ہوا لیکن جب انھوں
نے تھیلا کھول کر دیکھا اور سمجھے کہ اس نے کسی بلغاری افسر کو

مارا ہے تو بہت خوش ہوئے حسین نوری کو گلے سے لگایا۔ خوب پیار
کیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ پھر اسی وقت حسین نوری کی بہادری
کے سب حالات لکھ کر سلطان المعظم کی خدمت میں بھیجے۔ وہاں
سے حکم آیا کہ حسین نوری چاؤش یعنی چالیس سواروں کا افسر بنایا
جائے۔ اب وہ ایک عہدے دار تھا اور چالیس سپاہی
اس کی ماتحتی میں تھے۔ چند روز کے بعد لڑائی میں اس کے قریب
ایک بم کا گولا آکر گرا۔ اس کے پھٹنے سے ایک کیل اڑ کر حسین
نوری کی ران میں سے گذر گئی۔ اس چوٹ سے وہ زخمی ہو گیا۔
ترک افسروں نے اس کو شفاخانوں میں بھیجنا چاہا لیکن اس
نے انکار کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کر کے پھر لڑائی پر
جانے کو مستعد ہو گیا۔ لیکن زخم زیادہ سخت تھا اس لئے افسروں
نے زبردستی مصری شفاخانے میں بھیج دیا۔ جب سلطان المعظم
کو اس کے زخمی ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ خود اس کو دیکھنے
شفاخانے تشریف لائے اس کے ہاتھوں اور رخساروں
کو بوسہ دے کر اس کی تعریف کی۔ اچھا ہونے کے بعد حسین نوری

قسطنطنیہ آیا۔ یہاں سلطان کا مہمان رہا اور ایک دن وردی پہن کر اور پورے ہتھیار لگا کر سلطان المعظم کے سلام کو حاضر ہوا یہاں اس کی تصویر لی گئی۔ سلطان نے دعائیں دے کر رخصت کیا۔
یہ پھر جا کر لڑائی میں شریک ہو گیا۔ جب تک لڑائی رہی برابر شریک رہا۔

ایک ترک خاتون کی غیرت وحمیّت

ترکی اور بلقان کی لڑائی کے دو ایک قصّے تم پہلے پڑھ چکے ہو
اس لڑائی کا ایک واقعہ یہ ہے کہ شتلجہ پہنچنے سے ایک دن پہلے بلغاری
حکومت کے ایک دستے نے مسلمانوں کے ایک گاؤں پر حملہ کیا اور انسانیت
کے دشمن سپاہیوں اور افسروں نے شریفوں کے گھروں میں گھس کر پردہ
نشین بی بیوں، لڑکیوں، بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بلغاری فوج
کے دستے کا افسر ایک گھر میں گھسا۔ وہاں اس نے یہ دیکھا کہ ایک ترکی
بی بی زچہ خانے میں پڑی ہے اور اس کا بچہ اس کے پاس میٹھی نیند سو رہا
ہے اس بے رحم افسر نے بچے کے تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیئے بے چاری
ماں یہ تماشا دیکھتی رہی۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس طرح خون ہوتے
دیکھ کر اس کے دل پر جو گذری ہوگی وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ ایک تو اس کے
دل کا چین ظالم کی تلوار کے نذر ہوا اور ماؤں کو اپنے بچے کے ساتھ جو
ارمان ہوتے ہیں ان کا خون ہو گیا لیکن بے چاری کیا کر سکتی تھی اس
میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ اس ظالم سے مقابلہ کر سکتی اور اپنی آنکھوں کے

نور کو بچاتی۔ غریب چھاتی پر صبر کی سِل رکھ کر خاموش ہوگئی۔ بچے کو قتل کر کے اس ظالم نے ترک بی بی سے کہا کہ آج سے تو میری بیوی ہے۔ اس بی بی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور زہر کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ اتفاق سے اس افسر کو پاخانے کی حاجت ہوئی وہ اپنے ہتھیار اور وردی اتار کر چلا گیا۔ اس ترک بی بی نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور اس کی وردی پہن کر اور سب ہتھیار لگا کر کھڑی ہوگئی اور اس بے رحم بلغاری افسر کا انتظار کرنے لگی۔ بچے سے بہت زیادہ اپنی عصمت اور پاک دامنی عزیز تھی۔ بے آبروئی کی غیرت نے اس کو ہمت دلادی تھی اور اس کے بدن میں طاقت آگئی تھی۔ جب وہ افسر آیا تو اس نے اسی تلوار سے جس سے اس کے بچے کو قتل کیا گیا تھا اس افسر کو جہنم پہنچا دیا اور گھر سے باہر جا کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر شتلجہ کی طرف روانہ ہوگئی وہاں ترک افسروں نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا۔ وہاں شفاخانے میں اس کا علاج ہوتا رہا۔

وہ قوم بے شک زندہ اور شریف ہے جس کی خاتونوں میں ایسی غیرت اور حمیت ہے۔

بچوں کی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
ننھی مرغابی	۵ر	دنیا کے بسنے والے	۱۰ر	سرکار دو عالم	عہ
تانبیں خاں	۵ر	مقناطیس کی کہانی	۵ر	رسول پاک	عمہ
چنّو منّو	۵ر	بجلی کی کہانی	۷ر	خلفاء اربعہ	عہ
لال مرغی	۶ر	بجلی اور مقناطیس کے کھیل	۸ر	دس جنتی	۱۰ر
دو بھائی	۸ر	سمندر کا عجائب خانہ	عہ	نبیوں کے قصے	۱۰ر
عقاب	۸ر	عقائد اسلام	۴ر	محاسن اسلام	عمہ
ایورسٹ کی داستان	۵ر	ارکان اسلام	۶ر	قومی نظمیں	۸ر
تاریخ ہند کی کہانیاں حصہ ۱	۷ر	ہمارے نبی	۶ر	بچوں کا کھلونا	۱۲ر
" " حصہ ۲	۸ر	ہمارے رسول	۱۰ر	محنت (ڈراما)	۷ر
دنیا کے بچے	۱۰ر	سرکار کا دربار	عمہ	شریر لڑکا (ڈراما)	۶ر

مکتبہ جامعہ دہلی

سنہ ۱۹۴۵ء تعداد طباعت ۲۰۰۰ دیال پریس دہلی

قیمت

چندہ سالانہ تین روپے

مکتبہ جامعہ دہلی